قرائن کی حجیت احادیث کی روشنی میں

غلام فاروق

لیکچرار، گورنمنٹ علامہ اقبال پوسٹ گریجوایٹ کالج، سیالکوٹ

خلاصہ: قرائن کی سب سے بڑی اہمیت تو یہ ہے کہ اس پر کثیر صحابہ کرام متفق ہیں اور خلفاء راشدین اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے اس کی مخالفت بھی نہیں کی ہے اور اسی طرح تابعین کی اکثریت اور ائمہ مجتہدین عمل بالقرائن کے جواز کے قائل ہیں اور اس کا اعتبار بھی کرتے ہیں خاص طور پر حدود کے معاملات کے علاوہ میں اس پر اعتماد کرتے ہیں۔ اور اس پر مزید یہ کہ عمل بالقرائن پر صحابہ کرام کا اجماع بھی منعقد ہو چکا اور اس زمانے میں اس معاملہ میں کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی۔ اس کے جائز ہونے کے دلائل کتاب اللہ سے ظاہر ہیں اور اسی طرح سنت مطہرہ سے بھی دلائل سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ عمل بالقرائن جائز ہے عمل بالقرائن کے جواز کے لئے صحیح بخاری، صحیح مسلم اور صحاح ستہ کی دیگر کتب سے دلائل دیئے گئے ہیں اور مسانید اور موثر ذرائع کو بیان کیا گیا ہے۔

شارع علیہ السلام کا مقصود عدل وانصاف کو قائم کرنا ہے۔ اور ہر اس چیز کو جو شارع علیہ السلام کا مقصود ہے اس پر عمل کو یقینی بنانا نہایت ضروری ہے۔ اور قرائن پر عمل اسی قبیل سے ہیں۔ کیونکہ قرائن کی امثلہ قرآن وسنت اور کتب فقہ سے خالی نہیں اور ہر دور کے جدید فقہاء نے قرائن کی اہمیت کا اپنی کتب میں ایک باب باندھا ہے۔ اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ قرائن پر عمل کی صورت میں انصاف کرنے میں آسانی ہوتی ہے اور عدل کے ارکان واضح ہوتے ہیں اور اس صورت میں بندوں کے معاملات میں رعایت ہوتی ہے۔ خاص طور پر اس علمی زمانے میں جہاں طرح طرح کے مسائل درپیش ہوتے ہیں خاص طور پر طب سے متعلقہ درپیش ہوتے ہیں تو اس وقت حقیقت تک رسائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی طرح قرائن کہ اس پر فقہاء نے

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

اعتماد کیا ہے اور اس پر عرف، عادت اور سنی تقدیم اور بعض اوقات قرائن اس قدر واضح ہوتے ہیں ان میں کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہوتا اور اس صورت میں اس کا انکار نہیں کیا جا سکتا خاص طور پر جب اس کے ساتھ دلیل بھی ہو

پس قرائن اور ظاہری علامات پر اعتماد واجب ہے کیوں کہ اس سے مظلوم کو عدل و انصاف ملتا ہے اور اس صورت میں احکام بھی تعطل کا شکار نہیں ہوتے اور تمام لوگوں کو ان کے حقوق ملتے ہیں اور اس پر ہمارے لیے شارع علیہ السلام کی وہ مثال ہی کافی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حیض کے خون کا جاری ہونا رحم کے بری ہونے کی نشانی ہے اور اس کے حمل سے خالی ہونے کی نشانی ہے۔ اور اس حکم کو عدت کی انتہاء کی نشانی قرار دیا ہے، اور دوران حیض رجوع سے بھی منع کیا ہے اور اس کے بعد عقد کو جائز قرار دیا ہے اور یہ قرینہ کے جواز کی سب سے اہم اور ضروری مثال ہے اور یہ عمل بالقرائن کی ترجیح کی واضح مثال ہے۔

قرائن کی حجیت کے بارے میں حتمی رائے یہ ہے کہ: واقعاتی شہادت یا قرائن کی شہادت کی اس زمانے میں بہت اہمیت ہے۔ اسلام میں بھی قرائن کی شہادت کو ایک خاص اہمیت دی گئی ہے۔ اگر کوئی اور شہادت دستیاب نہ ہو تو حدود و قصاص کے علاوہ قرائن کی شہادت پر فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور بعض دفعہ قرائن اور واقعاتی شہادتیں دیگر شہادتوں کے لیے تائید اور تقویت کا باعث بنتی ہیں۔

قرائن اور ظاہری علامات پر اعتماد واجب ہے کیوں کہ اس سے مظلوم کو عدل و انصاف ملتا ہے اور اس صورت میں احکام بھی تعطل کا شکار نہیں ہوتے اور تمام
لوگوں کو ان کے حقوق ملتے ہیں اور اس پر ہمارے لیے شارع علیہ السلام کی وہ مثال ہی کافی ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ حیض کے خون کا جاری ہونا رحم کے بری ہونے کی نشانی ہے اور اس کے حمل سے خالی ہونے کی نشانی ہے۔ اور اس حکم کو عدت کی انتہاء کی نشانی قرار دیا ہے، اور دوران حیض رجوع سے بھی منع کیا ہے اور اس کے بعد عقد کو جائز قرار دیا ہے اور یہ قرینہ کے جواز کی سب سے اہم اور ضروری مثال ہے اور یہ عمل بالقرائن کی ترجیح کی واضح مثال ہے۔ اب اس طرح کی دیگر امثلہ احادیث کی روشنی میں بیان کی جاتی ہیں۔

☆ امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے

مسجد میں جانا۔ایمان کا قرینہ

بندہ کا نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد میں جانا اس کے مومن ہونے کی علامت ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:"اذا رأیتم الرجل یعتاد المساجد فاشھدو الہ بالایمان"(۱)۔

''جب تم آدمی کو دیکھو کہ مسجد میں آنے جانے کا عادی ہے تو اس کے ایمان کی گواہی دو''

مذکورہ حدیث سے ابن قیم استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جعل الرسول ﷺ مداومۃ الرجل المسلم علی ارتیاد المسجد وشھود الصلوات الخمس جماعۃ، لا یتاخر عنھا الا لعذر مشروع دلیلا و مارۃ قویۃ کایۃ کافیۃ لان یشھد لہ بالایمان۔وھذادلیل علی مشروعیۃ القرائن" (۲)"

نبی کریم ﷺ نے مسلمان آدمی کی مسجد میں باقاعدگی اور مداومت۔اور پانچ نمازوں میں اس کی جماعت کے ساتھ حاضری کو اس کے ایمان کی گواہی کے لیے قرینہ بنایا ہے۔اور یہ قرینہ کی مشروعیت پر بڑی دلیل ہے''

جھوٹ،وعدہ خلافی اور خیانت منافقت کے قرائن

جھوٹ،وعدہ خلافی اور خیانت کو آپ ﷺ نے منافقت کی نشانی قرار دیا ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔

"عن ابیی ھریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبیی ﷺ انہ قال: (آیۃ المنافق ثلاث: اذا حدث کذب واذا وعد اخلف واذا اؤتمن خان" (۳)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت کیا ہے اور انہوں نے نبی کریم ﷺ سے۔بے شک آپ ﷺ نے فرمایا کہ منافق کی تین نشانیاں ہیں: جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے۔اور جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔

تو حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی۔کہ آدمی کے اندر مذکورہ عادات کا پایا جانا اس کے منافق نے کی نشانی ہے اور یہ قرائن کی حجیت پر واضح دلیل ہے۔

اسی طرح اور ایک اور روایت جس کو امام بخاری نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے جس میں عملی منافق کی

☆ امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت سن ۹۳ ہجری میں اور وفات ۱۷۹ ہجری میں ہوئی ☆

نشانیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔

حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے:عن عبدالله بن عمر رضی الله عنهما ان النبیی ﷺ قال: (أربع من کن فیه کان منافقاً خالصاً و من کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من النفاق حتی یدعها: اذا اؤتمن خان واذا حدث کذب و اذا عاهد غدر و اذا خاصم فجر" (٤)

''حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہمانے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ چار باتیں جس میں پائی جاتی ہوں گی وہ خالص منافق ہوگا اور جس میں یہ عادتیں پائی جائیں گی اس میں نفاق ہوگا یہاں تک کہ وہ اسے چھوڑ دے، جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے اور بات کرے تو جھوٹ بولے اور وعدہ کرے تو دھوکہ دے اور جب کسی سے لڑے تو گالی دے''

بیان کی گئی حدیث مبارکہ میں نبی کریم ﷺ نے جھگڑے کو قرینہ پر محمول کیا ہے اور اس کا اعتبار کیا ہے اور یہ اس آدمی کے منافق ہونے پر قرینہ ہے۔نفاق کا ظہور قرینے کے اعتماد پر واضح قرینہ ہے۔

ایک اور حدیث جو کہ علامات نفاق پر دلالت کرتی ہیں جیسا کہ ارشادِ نبوی ﷺ ہے۔

"آیة المنافق ثلاث: اذا حدث کذب واذا وعد أخلف واذا اؤتمن خان" (٥)

''منافق کی تین نشانیاں ہیں،جب بات کرے تو جھوٹ بولے اور جب وعدہ کرے تو وعدہ خلافی کرے اور جب امانت رکھوائی جائے تو اس میں خیانت کرے''۔

بچے کی ماں کا فیصلہ۔ ممتا کی محبت کا قرینہ

اثبات بالقرائن پر ایک اور مشہور حدیث مبارکہ جو کہ امام بخاری ،مسلم اور نسائی نے حضرت ابو ہریرہ سے یہ روایت کی ہے۔

"عن أبی هریرة عن النبیی ﷺ قال: (بینما امرأتان معهما ابنا هما جاء الذئب بابن احد اهما فقالت هذه لصاحبتها انما ذهب بابنك انت وقالت الاخری انما ذهب بابنك، فتحاکم الی داؤد فقضی به للکبری فخرجتا علی سلیمان بن داؤد علیهما السلام فاخبرتاه فقال: ائتونی بالسکین اشقه بینکما فقالت الصغری لا یرحمك الله هو ابنها، فقضی به للصغری، قال ابوهریرة: (والله ان سمعت

امام محمد بن ادریس شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا سن ولادت ۱۵۰ ہجری اور سن وفات ۲۰۴ ہجری ہے ☆

بالسكين قط الا يوم اذ ماكنا نقول الا المدية" (٦)

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ روایت وہ نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دو عورتیں اپنے بیٹوں کے ہمراہ بیٹھی ہوئیں تھیں کہ ایک بھیڑیا آیا اور ان میں سے ایک کے بیٹے کو کھا گیا، ان میں سے ہر ایک نے دوسری سے کہا کہ وہ اس کے بیٹے کو کھا گیا ہے تو حضرت داود علیہ السلام کے پاس اس کا فیصلہ کروایا گیا پس آپ نے بڑی (عورت) کے حق میں فیصلہ کر دیا۔ پس وہ دونوں سلیمان بن داود کے پاس گئیں اور ان کو اس معاملہ کی خبر دی تو آپ نے فرمایا کہ چھری لاؤ اور اس کو کاٹ کر ان دونوں میں تقسیم کر دو تو اس پر چھوٹی نے کہا ''نہیں' اللہ آپ پر رحم کرے اس بڑی کا ہی ہے اس پر آپ نے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کر دیا''۔

امام نووی رحمۃ اللہ نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا!

ولم يكن مراده ان يقطعه حقيقة وانما اراد اختيار شفقتها لتتميز له الام، فلما تميزت بما ذكرت عرفها (٧)

''حضرت امام نووی فرماتے ہیں کہ یہاں پر حقیقی کاٹنا مراد نہیں بلکہ یہاں ان کی محبت کو جانچنا مقصود تھا تا کہ اس کی (حقیقی) ماں کو جانا جا سکے پس اس سے حقیقی ماں کو پہچان لیا گیا''

جیسا کہ حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔ یہاں پر حضرت سلیمان علیہ السلام کی فہم وفراست قرینہ پر دلالت کرتی ہے۔

حضرت امام نووی اس حدیث کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حيث فهم سليمان وفطن الى ان رضا الكبرى بالشق قرينة على كذبها، واستنبط من قرينة رفض الصغرى لشقه واعترافها بانه ابن الكبرى، على ان الولد ابنها وقدمه على اعترافها وهو قولها (وان عاطفتها برفض الشق قرينة قوية على صدقها وان الولد ابنها. قال الله تعالىٰ: (ففهمنا ها سليمان وكلا آتينا حكماً وعلماً)" (٨)

''یہاں پر حضرت سلیمانؑ کی فہم وفراست ظاہر ہو رہی ہے آپ نے گمان کیا کہ بیٹے کے کاٹنے پر بڑی عورت کی رضا اس کے جھوٹا ہونے پر قرینہ ہے۔ اور اس پر آپ نے یہ بھی استنباط کیا کہ چھوٹی اس کے کاٹنے کا انکار اور بڑی کے ہونے کا اعتراف، اس بات پر قرینہ ہے کہ بیٹا اسی کا ہے اور اس چھوٹی

☆ اجناس فی اصول الفقہ ابو سعید الاصمعی م ۲۱۱ھ کی تالیف ہے ☆

عورت کے کاٹنے کا انکار کرنا اس کی سچائی پر قرینہ ہے کہ بچہ اسی ہی کا ہے (حضرت سلیمان علیہ السلام اس بات کو سمجھ گئے، ہم نے ان کو علم وحکمت عطا کیا)''

امام ابن قیم حضرت سلیمان علیہ السلام کے واقعہ اور امام نووی کے بیان کردہ موقف پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"قوله ﷺ حكاية عن الصغرى: (لاتفعل يرحمك الله هو ابنها) فاستدل اولاً: برضى الكبرى بالشق وانها قصدت الاسترواح والتشفي من الصغرى لفقد ولدها. واستدل ثانياً: بشفقة الصغرى وعدم رضاها بذلك لما قام في قلبها من الشفقة والرحمة التي وضعها الله تعالىٰ فيي قلب الام، استدل بذلك على ان الولد ابنها وانها آثرت حياته. فاتضحت هذه القرينة مع ما أضاف الى ذلك من القرينة الدالة على صدقها الامر الذى جعله يحكم به للصغرى".(۹)

''واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام میں آپ ﷺ کا یہ فرمان جو آپ نے چھوٹی کے حق میں فرمایا (ایسا نہ کرو اللہ تجھ پر رحم کرے یہ اس (بڑی) کا بیٹا ہے اس سے کئی طرح استدلال ہوتے ہیں استدلال اول: بڑی کا کاٹنے کے بارے میں راضی ہونا اور اس کا ارادہ کرنا۔ اور استدلال ثانی: چھوٹی کی شفقت اور عدم رضا اس لیے تھی کہ اس کے دل میں شفقت اور رحم تھا جو کہ اللہ تعالیٰ نے اک ماں کے دل میں رکھا ہوتا ہے، اور اس سے یہ استدلال ہوتا ہے کہ بچہ اسی کا تھا اور اس میں اس کی زندگی کا اثر تھا۔ پس یہ قرینہ چھوٹی عورت کے صدق پر دلالت کرتا ہے جس کی وجہ سے چھوٹی کے حق میں فیصلہ کیا گیا''۔

پس حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعے اور حضرت سلیمان کے قصے کو حکم کے اثبات میں قوت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور ان پر اعتماد کیا گیا ہے اور رسول اللہ ﷺ کا ان قصوں کو بیان فرمانا ان کی اہمیت اور حجیت پر واضح دلیل ہے اور مفسرین نے ان پر اعتماد کیا ہے اور ان سے قرائن کی حجیت پر مسائل کا استنباط کیا ہے اور یہ قرائن کی بنا پر فیصلہ کی مشروعیت کی دلیل ہے۔

اس واقعہ پر امام ابن قیم تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"فاتضحت هذه القرينة عنده حتى قدمها على اقرارها فانة حكم به لها مع قولها(هوابنها)وهذا هوالحق...ويقول: واى شيىء احسن من اعتبار هذه القرينة

الظاهرة"(۱۰)

اس قرینہ کی بنا پر اس کے اقرار کی تقدیم ظاہر ہوتی ہے پس اس کا یہ حکم اس کے اس قول کے ساتھ کہ وہ اس کا بیٹا ہے اور یہ حق ہے۔اور وہ فرماتے ہیں کہ اس ظاہری قرینہ کے اعتبار سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

قرینہ کی حجیت پر اعتراض

قرینہ کی حجیت اور واقعہ حضرت یوسف علیہ السلام اور قصہ سلیمان علیہ السلام پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ ''اس قصہ کے استدلال پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے۔کہ یہ ہم سے ماقبل شریعتوں کے لیے ہے اور یہ ہماری شریعت میں نہیں ہے اس لیے یہ
ہمارے لیے قابل حجت نہیں''۔

عبدالوھاب خلاف اس مذکورہ واقعہ پر اعتراض کا جواب دیتے ہیں کہ:

"ويمكن الا جابة عليه: بان علماء الاصول قرروا ان شرع من قبلنا يكون شرعاً لنا اذا سبق بطريق يفيد استحسانه، او ورد فى شريعتنا مايؤيده ويدعه، ولم يرد ما يفيد انكاره، وقد ورد فى القرآن الكريم والسنة المطهرة العمل بالقرائن فى كثير من المناسبات، ففى هذه الحالة يصبح من باب التقريرات، وما جاء فى القرائن فمن هذا القبيل۔(۱۱)

''اس کے ممکنہ کے جوابات یہ دیئے گئے ہیں ۔بے شک علماء اصولیین نے یہ جواب دیا ہے کہ ماقبل شرائع بھی ہمارے لیے قابل حجت ہیں اور یہ کہ اس سے بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں جس طرح ہماری شریعت میں اس کی تائید بھی کی گئی ہے اور اس پر اعتماد بھی کیا گیا ہے۔اور اس پر کوئی انکار بھی وارد نہیں ہوتا۔قرائن پر عمل قرآن وسنت میں بھی کثیر مناسبت کے ساتھ وارد ہوتا ہے۔اور یہ حالت تقریرات کے باب میں زیادہ واضح ہوتی ہے اور اور قرائن پر عمل اسی قبیل سے ہے''۔

تلوار کا خون۔قتل کا قرینہ

قرینہ پر مزید شہادت بخاری ومسلم کی بیان کردہ اس حدیث سے ملتی ہے کہ:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے مروی ہے کہ عفراء کے دو بیٹوں نے غزوہ بدر میں ابوجہل کے قتل

☆بشر بن مریسیع حنفی م ۲۱۸ھ معروف فقیہ،متکلم اور اماابو یوسف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے☆

کرنے کا دعویٰ کیا تو رسول اللہ نے فرمایا۔ان دونوں نے کہا نہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا مجھے اپنی تلواریں دکھاؤ تو جب آپ ﷺ نے ان کو تلواروں کو دیکھا تو فرمایا تم دونوں نے ہی اس کو قتل کیا ہے۔اور اس سے سلب شدہ چیز کے معاذ بن عمرو بن جموح کو دیئے جانے کا فیصلہ فرمایا۔اور یہاں دو آدمیوں سے مراد، معاذ بن عمرو بن جموح اور معاذ بن عفراء ہیں۔(۱۲)

امام ابن قیم اس حدیث مبارکہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:۔

''اب اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے جب غور کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ابوجہل سے سلب شدہ غنیمت کے بارے میں دعویداروں میں سے جس کے حق میں فیصلہ فرمایا وہ اس کی تلوار پر خون کے اثرات کی وجہ سے تھا۔کہ اسی نے آگے بڑھ کر اس کو قتل کیا ہے؟تو یہ خون کے نشان ایک ایسا قرینہ ہے جس پر شارح علیہ الصلوۃ والسلام نے حکم شرعی یعنی ابوجہل سے سلب شدہ اشیاء کے حق کا فیصلہ سنایا اور یہ معاملہ قرینہ کی مشروعیت پر واضح دلیل ہے''۔ابن قیم نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ یہ ایک عمدہ کلام ہےاور اتباع کا زیادہ مستحق ہے کیونکہ تلوار کے ''پھل'' پر خون کا اثر ایک عمدہ گواہی ہے(۱۳)

قرینے کی بنا پر بدعہدی کا تعین

قرینہ کی حجیت کا اندازہ امام بخاری اور امام ابوداؤد کی بیان کردہ ایک اور روایت سے کیا جا سکتا ہے۔فرماتے ہیں کہ:

''حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل خیبر سے جنگ فرمائی اور ان کو ان کے قلعوں تک محدود کردیا اور ان کے کھیتوں ، زمینوں اور کھجوروں پر جب غلبہ پالیا تو انہوں نے اس بات پر آپ ﷺ صلح کی کہ وہ اس علاقے سے نکل جاتے ہیں اور جو کچھ ان کی سواریاں سامان اٹھا سکیں اسے ساتھ لے جانا ان کا حق ہوگا اور رسول اللہ ﷺ ان کے مستحق ٹھہریں گے اور آپ ﷺ نے ان پر یہ شرط عائد کی کہ وہ اپنے اموال میں سے نہ تو کوئی چیز چھپائیں گے اور نہ ہی کچھ غائب کریں گے اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو نہ وہ ذمی ٹھہریں گے اور نہ ہی مسلمانوں کا ان کے ساتھ معاہدہ ہوگا۔انہوں نے ایک مسک کو چھپالیا کہ جس میں مال تھا اور اُسے حی ابن اخطب کے سُپرد کردیا جو کہ بنو نظیر کی جلاوطنی کے وقت اپنے ساتھ ہی خیبر کی طرف لے گیا تو رسول اللہ ﷺ نے حی بن اخطب

امام ابوبکر جصاص امام کرخی کے شاگرد تھے.................کتاب الفصول فی الاصول ان کی معروف کتاب ہے

کے چچا سے فرمایا کہ اس مسک کا کیا ہوا جو کہ حی بنو نظیر سے لیکر آیا تھا تو اس نے کہا کہ خرچوں اور لڑائیوں کی بنا پر وہ ختم ہوگیا ہے۔تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ معاہدہ ہوئے تو تھوڑی دیر ہوئی ہے اور مال اس سے بھی زیادہ تھا پھر رسول ﷺ نے اس کو زبیر کے حوالے کردیا جنہوں نے اس کو سزا دی اور یہ حی سے خرچہ میں داخل ہو چکا تھا۔تو اس نے کہا کہ میں نے حی کو خرید میں ادھر اُدھر گھومتے ہوئے دیکھا چنانچہ وہ نشاندہی والی جگہوں پر گئے۔اور تلاش کرنے پر اس کو خرجہ میں پالیا تو اس عکس بدعہدی کی بنا پر رسول ﷺ نے ابوالحقیق کے دونوں بیٹوں کو قتل کروادیا اور ان میں سے ایک وضیہ کا خاوند بھی تھا''۔(۱۴)

فقہاء لکھتے ہیں کہ رسول ﷺ نے قرینہ کی بنا پر فیصلہ فرماتے ہوئے فرمایا کہ معاہدہ ہوئے تھوڑی دیر گزری ہے اور مال اس سے زیادہ تھا۔کیونکہ میاں مدت کا کم ہونا اور مال کا زیادہ ہونا اس مال کے اخراجات کی بنا پر اور زیادہ جنگوں کی بنا پر خرچ ہونے کے دعویدار کے دعویٰ کے جھوٹ ہونے کی واضح دلیل ہے اور اس چیز کو ثابت کررہا ہے کہ یقیناً اس دعدیدار نے کوئی چیز چھپا رکھی ہے۔

''ابن قیم فرماتے پس کہ اس میں فوری شواہد اور ظاہری علامات کی بنا پر معاملات کا فیصلہ یہ صحیح طریقہ ہے۔اور اس کی دلیل امام بخاری کی بیان کردہ حدیث لعان ہے''۔(۱۵)

حلیے کے قرینے کی بنا پر۔۔بچے کے اصل نسب کا تعین:

ایک فیصلہ جو نبی کریم ﷺ نے فرمایا قرینہ کی حجیت پر واضح دلیل ہے:

''جب ایک صحابی نے نبی کریم ﷺ کے سامنے اس شخص کا حلیہ بیان کیا کہ جسے اس نے اپنی بیوی کے پاس پایا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر یہ سیاہ آنکھوں والے اور لمبی پنڈی والے کو جنم دیتی ہے تو یہ شریک بن سمحا کا ہے پھر اس نے ایسے ہی بچے کو جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو پھر میرا حکم اس معاملہ میں لازمی ہوتا'' (۱۶)

رسول اللہ ﷺ نے بچے کے درمیان اور جس کے مشابہ ان دونوں کے درمیان جو شباہت قائم ہورہی ہے اس کو زنا کی تہمت کی سچائی پر دلیل اور قرینت بنا دیا ہے اسی لیے جب اس نے بیان کردہ اوصاف والے بچے کو جنم دیا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اگر کتاب کا فیصلہ نہ آچکا ہوتا یعنی لعان کا حکم نہ آچکا ہوتا تو پھر میرا ایک معاملہ ہوتا۔یہ اس بات کی دلیل ہے کہ قرائن کی بنا پر فیصلہ کرنا

☆بشر بن مریسیع حنفی م ۲۱۸ھ معروف فقیہ، متکلم اور امام ابو یوسف کے ارشد تلامذہ میں سے تھے☆

اور ظاہری نشانیوں اور فوری شواہد پر اعتماد کرنا شرعی اعتبار سے جائز ہے۔

''ابن قیم فرماتے ہیں کہ اس کا مقصد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نسب کے الحاق میں شبہ پر اعتبار کیا اور اس پر اعتماد صرف قیافہ شناس ہی کر سکتا ہے اس کے علاوہ اور کوئی نہیں کر سکتا۔ تو نبی کریم ﷺ نے اس مشابہت کو نہ صرف معتبر ثابت کیا بلکہ اس کو اپنے مشابہ کے ساتھ ملا دیا''۔(۱۷)

پاؤں کی مشابہت کے قرینہ سے رشتے کا تعین:

اسی طرح قرینے کے جواز پر وہ حدیث بھی ہے جس میں باپ بیٹے کے پاؤں کی مشابہت کی وجہ سے آپ ﷺ نے بیٹے کے باپ کا تعین کر دیا اور اس حدیث کو امام بخاری نے روایت کیا ہے۔

''سیدہ عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ ایک دن گھر میں بڑے خوش وخرم میرے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہ عائشہ تجھے نہیں معلوم کہ

مجزز المدلجی'' میرے پاس آئے اور انہوں اُسامہ اور زید کو اس حالت میں لیٹے ہوئے دیکھا کہ ان پر ایک ہی چادر تھی جو کہ اُن کے سروں کو تو ڈھانپ رہی تھی مگر پاؤں ان کے ننگے تھے تو انہوں نے اُن کو دیکھ کر فرمایا پاؤں ایک دوسرے سے ہیں یعنی ایک دوسرے کے مشابہ ہیں''۔(۱۸)

اس حدیث میں بیان کردہ صورت حال پر اگر غور کیا جائے تو جو چیز واضح ہو رہی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اُسامہ اور حضرت زیدؓ دونوں کے رنگوں میں بڑا فرق تھا اور قیافہ شناس کا محض ان کے پاؤں کو دیکھ کر یہ حکم لگانا کہ یہ قدم ایک دوسرے سے ہیں، مطلب کہ نسبی اعتبار سے ان کا آپس میں تعلق ۔ اس بات کو واضح کرتا ہے کہ چہروں اور جسم کے دیگر اعضا کی بناوٹ اور ان کے رنگوں کا اختلاف کسی بھی بچے کے ناجائز ہونے کی دلیل نہیں ہے بلکہ محض جسم کے ایک حصے کی مشابہت ان کے بچے کے جائز ہونے اور اپنے باپ کے نسب سے ہونے کی دلیل ہے قیافہ کو رسول اللہ ﷺ نے دلیل بناتے ہوئے لوگوں کی چہ میگوئیوں کو نہ مسترد فرمایا بلکہ حضرت اسامہ کے حضرت زید کے بیٹے ہونے کا فیصلہ بھی صادر

فرمایا یہ سارا معاملہ محض قرینہ کی بنا پر تھا جس کو شرعی حجت بناتے ہوئے رسول اللہ ﷺ نے استعمال کیا اور نسب ثابت کر دیا۔

امام ابوبکر جصاص امام کرخی کے شاگرد تھے..................کتاب الفصول فی الاصول ان کی معروف کتاب ہے

فرش کے قرینہ کی بنا پر رشتے کا تعین:

اسی طرح اس کی ایک اور دلیل حضرت عائشہ سے مروی وہ حدیث ہے کہ:

"الولد للفراش و العاھر للحجر"

"کہ بچہ اسی کا ہے جس کے بستر پر اس نے جنم لیا اور زانی کے لیے (والعاھر) سنگساری کی سزا ہے"۔(۱۹)

اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے یہ بات سامنے ہے کہ نبی کریم ﷺ کا فرمان الولد للفراش یہ ایک قرینہ ہے جو کہ مرد اور عورت کے شرعی ملاپ پر دلالت کر رہا ہے کہ جس میں آدمی اپنا مادہ منویہ عورت کے رحم میں خارج کرتا ہے۔اور چونکہ بچہ اسی مادہ سے بنتا ہے لہذا اس کی نسبت بھی اسی مرد کی طرف کر دی گئی۔اور اس کا نسب بھی ثابت ہو گیا۔مگر یہاں نسب اسی مرد کے ساتھ منسوب ہوگا جس کے ساتھ عورت نے مجامعت شرعی نکاح کے بعد کی۔لہذا فراش کو اگر بطور قرینہ لیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے نسب کے ثبوت اور شرعی احکام کے اثبات میں قرینہ کو نہ صرف فیصلہ کی بنیاد قرار دیا بلکہ اس کو حجت شرعیہ کا درجہ دیا۔

قرینے کی بنا پر یہودیوں سے قسم لینا:

اسی طرح بخاری و مسلم کی حضرت بشیر بن یسار اور رافع بن خدیج کی بیان کردہ روایت ہے کہ

"عبداللہ بن سہل بن زید اور محیصہ بن مسعود بن زید دونوں نکلے اور جب یہ خیبر پہنچے تو دونوں ایک دوسرے سے الگ ہو گئے بعد میں محیصہ نے عبداللہ بن سہل کو اس حالت میں پایا کہ کسی نے ان کو قتل کر دیا ان کو دفنانے کے بعد وہ رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوئے اور اس وقت حویصہ بن مسعود اور عبدالرحمٰن بن سہل (یہ لوگوں میں سب سے چھوٹے تھے، نے اپنے دونوں ساتھیوں سے گفتگو شروع کر دی رسول ﷺ نے فرمایا بڑے کو اس کا حق دو۔پس وہ خاموش ہو گئے اور ان کے دونوں ساتھیوں نے جب بات شروع کی تو یہ بھی ان کے ساتھ بولتے رہے تو انہوں نے عبداللہ بن سہل کے قتل کا معاملہ رسول اللہ ﷺ کو بتایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا تم پچاس قسمیں کھاتے ہو کہ اس کے ذریعے تم اپنے ساتھی کے قتل کے قصاص کے مستحق بن سکو تو انہوں نے کہا کہ ہم نے اس معاملہ کو دیکھا ہی نہیں قسم کیسے اٹھائیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا پھر یہودی پچاس قسمیں اٹھا کر اس معاملہ

سے بری ہو رہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ آپ کافر قوم کی قسموں کو کیونکر قبول فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر عبداللہ کی دیت کا حکم صادر فرمایا"۔(۲۰)

امام ابن قیم اس حدیث سے استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

چونکہ حقیقی قاتل نا معلوم تھا اس لیے اس کی دیت صدقہ کے اونٹوں سے ادا فرمادی۔

اس سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔ کہ قرینہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ یہودی ہی قاتل ہیں۔ اور عبداللہ کی لاش کا یہودیوں کے علاقے میں پایا جانا اور پھر یہودیوں اور مسلمانوں کے درمیان موجود عداوت اس بات کا قرینہ ہے کہ قاتل وہی ہیں اور حضور ﷺ کا قسمیں اٹھانے کا حکم دینا یہ ظاہری علامات اور وہ قرائن جن کی بنا پر مدعی کے دعوی کی سچائی کے بارے میں پیدا ہونے کا غالب گمان کی بنیاد پر تھا اس بنا پر قرینہ کے پیش نظر ایسے معاملہ میں ایسی قسم اٹھانا جو فیصلہ کی بنیاد بن سکتی ہو جائز ہوگا۔ اور حضور ﷺ کا یہ فیصلہ قرینہ کی حجیت اور ظاہری حالات پر اعتماد کی واضح دلیل ہے"۔(۲۱)

باکرہ کی خاموشی۔رضامندی کا قرینہ

معاملات نکاح میں باکرہ کی خاموشی کو رضامندی کی علامت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ حدیث نبوی ﷺ سے ظاہر ہے:

" عن ابی هريرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ قال: لا تنكح الايم حتى تستامر ولا تنكح البكر حتى تستاذن قالوا: يارسول الله و كيف اذنها؟ قال : ان تسكت)".(۲۲)

"حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالی عنہ نے روایت کیا ہے کہ بے شک رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ بیوہ کا نکاح نہیں ہوگا جب تک اس کی رضا نہ ہوگی اور نہ ہی باکرہ کا جب تک اس سے اجازت نہ لی

آن کہ شیراں را کند روبہ مزاج
احتیاج است احتیاج است احتیاج

الفاظ کی معانی پر دلالت توقیفیہ ہے ....(ابوالحسن اشعری)

جائے اور عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ اس سے اجازت کیسے لی جائے؟ فرمایا اگر وہ خاموش رہے"

اسی موضوع پر ایک اور روایت جس کو امام بخاری نے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے:

"عن عائشة رضى الله عنها انها قالت:(يارسول الله البكر تستحيى قال: رضاها صمتها)"(۲۳)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے مروی ہے، بے شک آپ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ باکرہ تو (شرماتی) حیا کرتی ہے نہیں بولتی۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا اس کی خاموشی ہی اس کی رضا ہے''۔

اسی موضوع سے متعلق حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی سے ایک اور روایت یہ بیان کی گئی ہے کہ:

"قلت يارسول الله يستأمر النساء فى ابضاعهن؟ قال: نعم، قلت فان البكر تستأمر فتستحيى فتسكت، قال: سكاتها اذنها". (۲۴)

''حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت ہے کہ ''میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا عورتوں سے ان کی شرمگاہوں کی اجازت طلب کی جائے گی تو آپ ﷺ نے فرمایا، ہاں، میں نے کہا کہ باکرہ سے کیسے اجازت طلب کی جائے؟ وہ تو حیا کی وجہ سے خاموش رہتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کی رضا اس کی خاموشی ہے''۔

اسی طرح ایک اور روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ:

"ان الرسول عليه الصلاة والسلام جعل سكات البكر او صمتها دليلاً وقرينة على رضاها"۔ (۲۵)

''بے شک رسول اللہ ﷺ نے باکرہ کی خاموشی کو اس کی رضا اور اس کو قرینہ اور دلیل بنایا ہے''۔

امام ابن فرحون اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"وهذا من أقوى الأدلة فى الحكم بالقرائن" (۲٦)

''یہ حدیث قرائن کی عمل کی سب سے قوی دلیل ہے''

الفاظ کی معانی پر دلالت ذاتیہ ہے ....(عباد بن سلیمان)

قرینہ نہ ہونے کی وجہ سے چوپائے کو نصف نصف کرنے کا فیصلہ

امام احمد نے، امام ابو دواد نے، امام نسائی نے اور امام ابن ماجہ نے اور امام بیہقی نے حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے جیسا کہ حدیث مبارکہ میں بیان کیا گیا ہے

"عن ابیی موسی رضی الله عنه: ان رجلین اختصما فی دابة ولیس لواحد منهما بینة، فقضی بها رسول الله ﷺ بینهما نصفین"۔ (۲۷)

''حضرت ابو موسی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا ہے کہ بے شک دو آدمی ایک چوپائے پر لڑ پڑے تو ان میں سے کسی کے پاس بھی دلیل نہ تھی پس رسول اللہ ﷺ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان دونوں کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر دیا جائے''۔

''بے شک رسول اللہ ﷺ کا چوپائے کے بارے میں حکم وجود ید کا ہے اس کے ساتھ اور یہ قرینہ ہے اس کی ملکیت پر اور اس چوپائے پر ان دونوں کا آدھے حصے کا استحقاق ہے۔ اور ان میں سے کسی ایک کے پاس بھی اس کو رکھنے کا استحقاق نہیں تھا اور اس قرینہ کے قوی ہونے پر کوئی تعارض بھی نہیں۔ اور یہ قرائن کی مشروعیت اور اس کے جائز ہونے پر واضح دلیل ہے''۔ (۲۸)

عمل بالقرائن کی ایک اور دلیل یہ ہے کہ:

''فریقین میں سے کسی کے پاس اپنے دعوے کے حق میں کوئی گواہ موجود نہ ہونے پر دونوں کے پاس گواہ موجود ہونے کی صورت میں آپ نے ان کے بیانات کی روشنی میں ممکن حد تک صحیح صورت واقعہ کا علم حاصل کرنے کی کوشش کی اور قرائن کی روشنی میں آپ کا دل جس بات پر مطمئن ہوا، اس کے مطابق فیصلہ فرمادیا۔ چنانچہ جنگ بدر میں دو انصاری لڑکے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ہر ایک نے یہ دعویٰ کیا کہ ابو جہل کو اس نے قتل کیا ہے۔ آپ نے دونوں کی تلواریں دیکھنے کے بعد یہ فیصلہ فرمایا کہ دونوں نے مل کر اسے قتل کیا ہے''۔ (۲۹)

اسی طرح ایک مقدمے میں دو مدعیوں نے ایک جانور کی ملکیت کا دعویٰ کیا اور کسی کے پاس گواہ نہیں تھا۔

''نبی ﷺ نے جانور کو آدھا آدھا دونوں کی ملکیت قرار دے دیا''۔ (۳۰)

''اسی طرح کے ایک مقدمے میں آپ نے گواہ میسر نہ ہونے پر فریقین سے کہا کہ وہ اس بات پر قرعہ

ڈال لیں کہ ان میں سے کون اپنے سچا ہونے کی قسم کھائے گا (اور پھر اس کی قسم کی بنیاد پر اس کے حق میں فیصلہ کردیا جائیگا"۔(۳۱)

شریعت میں کسی جرم کے اثبات کے لیے سب سے کڑا معیار زنا کے سلسلے میں مقرر کیا گیا ہے اور چار سے کم گواہوں کی گواہی کے بغیر اسے قانوناً ثابت ماننے سے انکار کیا گیا ہے، تاہم ایک شخص نے جب یہ کہا کہ اگر میں اپنی بیوی کے پاس کسی شخص کو موجود پاؤں گا تو تلوار کے ساتھ دونوں کا کام تمام کردوں گا۔

"نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ 'کفی بالسیف شاهدا' یعنی تلوار کی گواہی کافی ہے، لیکن پھر فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ اگر اس کی اجازت دے دی گئی تو لوگ اس کا غلط فائدہ اٹھائیں گے۔"(۳۲)

"آپ نے زنا بالجبر کے ایک مقدمے میں، جس میں ملزم اپنے جرم سے انکاری تھا، متاثرہ خاتون کے بیان پر انحصار کرتے ہوئے ملزم کو رجم کرنے کا حکم دے دیا"۔(۳۳)

ملزم کی رہائی۔قرینہ کی بنا پر

بعض صورتوں میں حالات اور قرائن کی روشنی میں خود ملزم کے بیان کو قابل اعتماد سمجھتے ہوئے اس پر فیصلے کی بنیاد رکھی۔

"چنانچہ ایک نابینا صحابی نے اپنی ام ولد کو اس بات پر اشتعال میں آکر قتل کردیا کہ وہ نبی ﷺ کے خلاف نازیبا کلمات استعمال کیا کرتی تھی۔ نبی ﷺ نے اسے بلاکر تحقیق کی اور اس کے بیان پر مطمئن ہوکر فرمایا کہ قتل کی جانے والی عورت کا خون ہدر ہے"۔(۳۴)

بلند اخلاق۔صدق کا قرینہ

نبی کریم ﷺ بڑے بلند اخلاق کے مالک تھے آپ ﷺ کے اخلاق کی گواہی تو قرآن نے بھی دی، اور اس کے ساتھ احادیث میں بھی آپ ﷺ کا اخلاق بیان کیا گیا ہے۔ ذیل میں دی گئی حدیث میں اخلاق سے آپ ﷺ کا صدق ظاہر ہوتا ہے جو کہ عمل بالقرائن کی واضح دلیل ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں فرمایا گیا ہے:

"عن عائشة أم المؤمنين رضى الله عنها قالت: (أول ما بدىء به رسول الله ﷺ

الفاظ کی معانی پر دلالت اصطلاحیہ ہے..........(ابو ہاشم الجبائی)

من الوحی الرؤیا الصالحة فیی النوم، فکان لایری رؤیا الا جاء ت مثل فلق الصبح الی ان قالت: فقال زملونی زملونی، فزملوہ حتی ذھب عنه الروع فقال لخدیجة واخبرھا الخبر: لقد خشیت علی نفسی۔ فقالت خدیجة : کلا واللہ لا یخزیك اللہ أبدا انك لتصل الرحم وتحمل الکل، وتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علی نوائب الحق"۔(۳۵)

''ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنہا سے روایت کیا ہے آپ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ پر وحی کی ابتدا ہوئی وہ نیند کی حالت میں رویا صالحہ تھی اور جب خواب دیکھا تو میرے پاس آئے اور فرمایا کہ مجھے چادر اوڑھا دو، چادر اوڑھا دو، پس میں نے آپ پر چادر اوڑھا دی حتی کہ آپ سے وہ کپکپی جاتی رہی۔ پس آپ ﷺ نے حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہا کو اس بات کی خبر دی کہ مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔ تو اس پر آپ رضی اللہ تعالی عنہا نے کہا کہ خدا کی قسم! اللہ آپ کو کبھی کو خوف زدہ نہیں کرے گا کیونکہ آپ صلہ رحمی کرتے ہیں، اور غریبوں کا بوجھ اٹھاتے ہیں، اور ناداروں کا بندوبست کرتے ہیں، اور مہمان نواز ہیں اور آفات کے وقت لوگوں کی مدد کرتے ہیں''۔

اس حدیث سے امام ابن قیم استدلال کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''ان خدیجة رضی اللہ عنہا استدلت بالقرائن علی صدق رسول اللہ ﷺ وعلو امرہ وظھورہ وأنه سوف لن یخزیه اللہ ابدا، واقسمت علی ذلك، وسکوت الرسول ﷺ واقرارہ لاستدلالھا بھذہ القرائن دلیل علی مشروعیة القرائن وجواز الحکم بناء علی الامارات وظواھر الحال''۔(۳۶)

حضرت خدیجہ نے رسول اللہ ﷺ کی صداقت کا قرائن کے ساتھ استدلال کیا ہے۔ کہ آپ کی بعثت ظاہر ہوگی اور آپ کا مرتبہ بلند ہو کر رہے گا اور اللہ آپ کو کبھی بھی آنے والے زمانہ میں پریشان نہیں کرے گا اور آپ کی خاموشی اور آپ کے اقرار سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ یہ قرائن کی مشروعیت اور اس کے جواز کی واضح دلیل ہے''۔

''امام ابن قیم اس کے بعد مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہ قرینہ کی سب سے بڑی مثال ہے اور عمل بالقرائن پر کثیر صحابہ کرام متفق ہیں اور خلفاء راشدین اور ابن مسعود رضی اللہ تعالی عنہ اور دیگر صحابہ کرام نے اس کی مخالفت بھی نہیں کی اور اسی طرح تابعین کی اکثریت اور

مقیس وہ شئی ہے جس پر قیاس کیا جائے اسی کو فرع بھی کہا جاتا ہے.................(اصول فقہ)

ائمہ مجتہدین عمل بالقرائن کے جواز کے قائل ہیں اور اس کا اعتبار بھی کرتے ہیں خاص طور پر حدود کے معاملات میں اس پر اعتماد کرتے ہیں۔اور اس پر مزید یہ کہ عمل بالقرائن پر صحابہ کرام کا اجماع بھی منعقد ہو چکا اور اس زمانے میں اس معاملہ میں کسی نے ان کی مخالفت بھی نہیں کی''۔

جیسا کہ امام ابن قیم لکھتے ہیں:

"ویکفینا فی انعقاد الاجماع فیی العمل بالقرائن اجماع الصحابة رضی الله عنهم فی الحکم بها، ولم یعلم لهم مخالف فی عصرهم" ۔(۳۷)

''اور ہمارے لیے کافی ہے کہ صحابہ کا عمل بالقرائن پر اجماع منعقد ہو چکا ہے اور یہی وجہ ہے کہ ان کی اس معاملے میں مخالفت ان کے زمانے میں ظاہر نہ ہوئی''۔

صحابہ کرام کا عمل بالقرائن پر معمول:

جیسا کہ امام ابن قیم نے کہا کہ صحابہ کرام کا عمل بالقرائن پر اجماع ہو چکا تھا۔اب ذیل میں صحابہ کرام کے قرائن کی صورت میں فیصلہ کرنے کی چند مثالیں بیان کی جاتی ہیں۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کا عمل:

امام ابن ابی شیبہ روایت کرتے ہیں:

"عن السائب بن یزید ان عمر کان یضرب فی الریح"

''سائب بن یزید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر شراب کی بُو پر مارتے تھے''۔(۳۸)

شراب نوشی کی سزا۔بو کے قرینے پر:

حضرت عمر فاروق کا معمول تھا کہ آپ رضی اللہ تعالی عنہ قرائن کی بنا پر بھی فیصلہ فرما دیا کرتے تھے جیسا کہ آپ نے شراب کی قے کرنے والے کے لیے کوڑوں کی سزا سنائی اور اسی طرح آپ شراب کی بو پر بھی سزا کا حکم دیا کرتے تھے۔

جیسا کہ مالک بن حفیر کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے۔

"عن مالك بن حفیر الحنفی قال اتی عمر بابن مظعون قد شرب خمراء فقال:من شهودك؟ قال فلان وفلان وغیاث بن سلمة وکان یسمی غیاث الشیخ الصدوق

فقال رأيته يقيها ولم اره يشربها فجلده عمر الحد". (۳۹)

"مالک بن حفیر حنفی بیان کرتے ہیں کہ ان کے پاس ابن مظعون کو اس الزام میں لایا گیا کہ اس نے شراب پی ہے، حضرت عمر نے پوچھا تمہارے گواہ کون ہیں، اس نے کہا فلاں، فلاں اور غیاث بن مسلمہ، غیاث کو سچا کہا جاتا تھا، اس نے کہا میں نے اس کو شراب کی قے کرتے ہوئے دیکھا ہے، شراب پیتے ہوئے نہیں دیکھا۔ حضرت عمر نے اس پر شراب کی حد جاری کردی"۔

اجنبی مرد وعورت کی خلوت پر کوڑوں کی سزا۔ قرینہ کا جواز

"صحابہ کے بعض آثار بھی اس حوالے سے قابل غور ہیں۔ ایک شخص نے اپنی بیوی کو ایک شخص کے ساتھ اس حال میں پایا کہ انھوں نے دروازے بند کر کے پردے لٹکا رکھے تھے۔ سیدنا عمر نے ان دونوں کو سوسو کوڑے لگوائے"۔ (۴۰)

"ایک شخص عشا کے بعد چٹائی میں لپٹا ہوا کسی دوسرے آدمی کے گھر میں پایا گیا تو سیدنا عمر نے اسے سوکوڑے لگوائے"۔ (۴۱)

شک کی بنا پر کوڑوں کی سزا۔ عمل بالقرائن کا جواز

"ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس ایک مرد اور عورت کو لایا گیا جو ایک لحاف میں پائے گئے تھے۔ انھوں نے دونوں کو چالیس چالیس کوڑے لگوائے اور انھیں لوگوں کے سامنے رسوا کیا۔ سیدنا عمر نے بھی ان کے اس فیصلے کی تحسین کی"۔ (۴۲)

"سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں مروی ہے کہ اگر کوئی مرد وعورت ایک ہی کپڑے میں پائے جاتے تو وہ دونوں کو سوسو کوڑے لگواتے"۔ (۴۳)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عمل:

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی قرائن کی شہادت کے قائل تھے جیسا کہ اس حدیث سے ظاہر ہوتا ہے۔

امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

"عن علقمة قال اتى عبدالله الشام فقال له ناس من اهل حمص اقرأ علينا فقرأعليهم سورة يوسف فقال رجل من القوم والله ماهكذا انزلت فقال عبدالله ويحك والله لقد قرأتها على رسول الله ﷺ هكذافقال احسنت فبينا هو يراجعه

ازواجه منه ريح الخمر فقال اتشرب الرجس وتكذب بالقرآن والله لاتذاولني حتى اجلدك فجلده الحد". (۴۴)

''حضرت علقمہ روایت کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ علاقہ شام گئے، آپ سے حمص والوں نے کہا انہیں قرآن مجید سنائیں، آپ نے ان پر سورۂ یوسف تلاوت کی، ان لوگوں میں سے ایک شخص نے کہا: بخدا یہ سورت اس طرح نازل نہیں ہوئی ہے! حضرت ابن مسعود نے کہا تجھ پر افسوس ہے! بخدا میں نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس سورت کو اسی طرح پڑھا تھا تو آپ نے فرمایا: تم نے اچھی قرات کی: جس وقت یہ بحث ہو رہی تھی اچانک اس کے منہ سے خمر (شراب) کی بُو آئی، حضرت ابن مسعود نے فرمایا تم ناپاک شراب پیتے ہو اور قرآن کی تکذیب کرتے ہو؟ بخدا! میں تم کو اس وقت تک نہیں چھوڑوں گا جب تک کہ تم پر حد نہ لگا دوں، پھر حضرت ابن مسعود نے اس پر حد لگا دی''۔

اس حدیث سے یہ معلوم ہوگیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ بھی شراب کی بُو کی بناء پر حد جاری کر دیتے تھے۔ اور یہ واقعاتی شہادت کا اعتبار کرنے پر واضح دلیل ہے۔

حاصل بحث

قرآن وسنت کی روشنی میں جو جرائم حدود کے زمرے میں آتے ہیں ان کی سزا بھی قرآن وسنت میں مذکور ہے لہذا ان جرائم کے اثبات کے جو طریقے قرآن میں مذکور ہیں ان کی روشنی میں ہی ان فیصلہ کیا جائے گا۔ اور دور حاضر کے قرائن کو حدود وقصاص میں کوئی اہمیت حاصل نہیں ہوگی۔

قرائن کی حجیت پر تو کوئی اعتراض نہیں کیونکہ اس کا اثبات تو قرآن مجید سے ہوتا ہے، جہاں تک اس کے معاملات میں دائرکار کا تعلق ہے تو حدود وقصاص کے معاملات کے علاوہ دیگر معاملات میں قرائن کی روشنی میں فیصلہ کیا جا سکتا ہے جیسا کہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی زندگی سے اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

مذکورہ بالا دلائل قرائن کی حجیت میں پیش کئے گئے ہیں لیکن راقم نے کے نزدیک قرائن کا اعتبار صرف معمولی اور عام قسم کے جرائم میں ہی کیا جائے گا۔ سنگین قسم کے جرائم میں صرف قرائن کو بنیاد بنا کر فیصلہ نہیں کیا جائے گا یعنی حدود وقصاص کے معاملات میں صرف قرینہ کو ہی بنیاد بنا کر شرعی سزا کا نفاذ نہیں کیا جا سکتا۔ البتہ تعزیراً سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب

فہرست حواشی وحوالہ جات

۱ . ابن ابی شیبہ، حافظ ابوبکر عبداللہ بن محمد، متوفی ۲۳۵ھ، **المصنف** ج۱۰، ص ۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

۲۔القزوینی، محمد بن یزید، **السنن**، ج۱، ص ۲۶۳، کتاب المساجد و الجماعات، رقم :۸۰۲، دار احیاء الکتب العربیۃ، القاھرۃ

۳۔ابن قیم شمس الدین محمد بن ابی بکر الجوزیہ، **الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ**، ص ۲۵۹، المؤسسۃ العربیۃ للطباعۃ والنشر القاھرہ ۱۳۸۰ھ

۴۔بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل، **الجامع الصحیح**، ۱/ ۹۰

۵۔ایضاً ۶۔ایضاً ص ۸۹ ۷۔بخاری، **الجامع الصحیح**، ۱۲: ۵۷

۸۔النووی، ابوزکریا یحیٰی بن شرف، **شرح علی الصحیح المسلم**، ج ۱۲، ص ۱۸، دار الکتب العلمیۃ بیروت

۹۔ایضاً

۱۰۔ خلاف، عبدالوھاب، **علم اصول الفقہ**، ص/ ۹۳، الناشر: الدرار الکویتیۃ للطباعۃوالنشر والتوزیع

۱۱۔ابن قیم، امام، **الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ**، ص ۶، المؤسسۃ العربیۃ للطباعۃ والنشر القاھرۃ، ۱۳۸۰ھ

۱۲۔خلاف، عبدالوھاب، **علم اصول الفقہ**، ص/ ۱۰۵، الناشر: الدرار الکویتیۃ للطباعۃوالنشر والتوزیع

۱۳۔نووی، **شرح صحیح مسلم**، ج ۲/ ۶۱،

۱۴۔برہان الدین ابراہیم بن علی بن ابی القاسم، متوفی ۷۹۹ھ، **تبصرۃ الحکام فی اصول الاقضیۃ**، ج۱، ص ۲۳۰، مطبع مصطفٰی البابی الحلبی مصر

۱۵۔ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، **السنن**، کتاب الخراج والأمارۃ، ۳/ ۴۰۸، دار الحدیث للطباعۃ نشر توزیع حمص سوریا ۱۳۹۴ھ

۱۶۔ابن قیم، محمد بن ابی بکر، متوفی ۷۵۱ھ، **الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیۃ**، ص ۱۰، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ مصر ۱۳۷۸ھ

۱۷۔بخاری، **الجامع الصحیح**، ۱۲: ۱۸۰

۱۸۔ابن قیم محمد بن ابی بکر، متوفی ۷۵۱ھ، **الطرق الحکمیۃ فی السیاسۃ الشرعیہ**، ص ۱۰، مطبعۃ السنۃ المحمدیۃ مصر ۱۳۷۸ھ

۱۹۔بخاری، **الجامع الصحیح** ۱۲: ۵۷

۲۰۔عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**، ج ۱۲ص ۳۵، المطبعۃ السلفیۃ القاھرۃ

۲۴۔بخاری، **الجامع الصحیح**، ۹: ۱۹۱

۲۶۔ایضاً

۲۷۔القزوینی، ابن ماجہ، **السنن** ۲/۲۷۰

۲۸۔عزالدین، عبدالسلام بن عبد العزیز، متوفی ۶۶۰ھ، **قواعد الاحکام**، ۲/۱۳۷، دار الشرق القاھرۃ ۱۳۸۸ھ

۲۹۔احمد بن حسین بن علی، **السنن الکبری**، ج ۱۰ص ۲۵۵، مطبعۃ مجلس دائرہ المعارف العثمانیۃ بحیدر آباد دکن۔الھند

۳۰۔القزوینی، ابی عبداللہ محمد بن یزید، متوفی ۲۷۵ھ، **سنن ابن ماجہ**، ج ۲، ص ۲۷۰، دار احیاء الکتب العربیۃ القاھرۃ

۳۱۔نیشاپوری، مسلم بن حجاج، **الصحیح المسلم**، رقم الحدیث: ۳۲۹۶، دار احیاء الکتب العربیۃ القاھرۃ

۳۲۔ابی دواد، سلیمان بن اشعث، متوفی ۲۷۵ھ، **ابوداؤد**، رقم ۳۱۳۴، دار الحدیث للطباعۃ نشر توزیع حمص، سوریا ۱۳۹۴ھ

۳۳۔ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، السجستانی، **السنن**، رقم ۳۸۳۴، الریاض: دارالسلام، ۱۹۹۹ء

۳۴۔نسائی، **السنن الکبریٰ**، رقم ۳۱۱۷

۳۵۔ابوداؤد، رقم ۳۷۹۸۔**نسائی** رقم ۴۰۰۲

۳۶۔عسقلانی، احمد بن علی بن حجر، **فتح الباری بشرح صحیح البخاری**، ج ۱ص ۲۲، المطبعۃ السلفیۃ القاھرۃ

۳۷۔**الطرق الحکمیۃ**، ص ۸

۳۸۔ایضاً

۳۹۔شیبہ، عبداللہ بن محمد بن ابی عیسی، **المصنف**، متوفی ۲۳۵ھ، ج ۱۰ص ۳۹، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۴۰۶ھ

۴۰۔ایضا

۴۱۔عسقلانی، فتح الباری بشرح صحیح البخاری، ج ۱، ص ۲۲

۴۲۔عبدالرزاق بن ہمام، **المصنف**، رقم: ۱۳۷۰۸، مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی، ۱۳۹۰ھ ۴۳۔ایضاً: رقم ۱۳۷۱۰

۴۴۔احمد بن حنبل، امام، **مسند امام احمد**، متوفی ۲۴۱ھ، ج ۱ص ۴۲۵تا ۳۷۸، مطبوعہ مکتب اسلامی بیروت ۱۳۹۸ء